OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مقاصدِ شریعت کے تناظر میں القضاء علی الغائب: شرعی حکمت اور عملی افادیت

Judgment in Absentia in the Context of Objectives of Shariah: Rationale and Practical Significance

Muhammad Mujahid Akram

MPhil Scholar, Dept. of Islamic Studies, GC University, Faisalabad

Dr. Sobia Nosheen

Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, GC University, Faisalabad

sobia616@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.53762/alqamar.08.01.u10

Abstract

Qaḍāʾ ʿalā al-ghāʾib is a specific term to take a decision in the absence of a party. Although it is looking beyond the justice apparently, but it is necessary to adopt the phenomena for the safety of the other party. To linger on the decision has a fatal effect and can deny objectivity. To understand true spirit of Shariah, it is mandatory to understand "Objective of Shariah". The decision which is cause of miscarriage of law, justice and objective of Shariah cannot be accepted. This article is all about ex-party decision and objective of Sharia and opinions of different juristics regarding the matter.

Keywords: Objectives of Shariah, ex-Party cases، Justice, Imām al-Ghazālī, Ibn ʿĀshūr, ʿIzz ibn ʿAbd al-Salām, Ibn Taymiyyah.

فقہِ اسلامی میں القضاء علی الغائب ایک ایسا عدالتی تصرف ہے جو اس وقت نافذ ہوتا ہے جب کوئی فریق کسی وجہ سے عدالت میں حاضر نہ ہو۔ اگرچہ بادی النظر میں ایسا فیصلہ درست معلوم نہیں ہوتا تاہم مقاصد شریعت کے تناظر میں اس کا جائزہ

لینا ضروری ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ غیر حاضر فریق پر حکم لگانا نہ صرف فقہی طور پر جائز ہے بلکہ شریعت کے اصولی مقاصد کے مطابق بھی ضروری ہے۔

مقاصدِ شریعت کے بنیادی اصول—حفظِ دین، حفظِ نفس، حفظِ عقل، حفظِ نسل اور حفظِ مال—عدالت اور قضائی نظام میں عملی طور پر اظہار پاتے ہیں۔ القضاء علی الغائب کے ذریعے عدالتی نظام یہ یقینی بناتا ہے کہ:

- مظلوم فریق کے حقوق غیر معینہ مدت تک معطل نہ رہیں۔
- عدالتی فیصلے میں تاخیر سے پیدا ہونے والے نقصانات اور بے ضابطگی کو کم کیا جائے۔
- غیر حاضر فریق کے حق سماعت کے تحفظ کے لیے مناسب میکانزم (ابلاغ، وکالت، اعادہ سماعت) فراہم کیے جائیں۔

یہ نقطہ نظر نہ صرف اسلامی عدالتی فلسفہ بلکہ عصری قانونی نظاموں کے بنیادی اصول (Fair Trial, Due Process) سے بھی ہم آہنگ ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شریعت اور عصری قانون ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، خاص طور پر انصاف کی فوری فراہمی اور حقوق کے تحفظ کے حوالے سے۔

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں القضاء علی الغائب کی اہمیت:

القضاء علی الغائب کا تصور شرعی عدالتی نظام میں ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف غیر حاضر فریق کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے بلکہ عدل کے فوری نفاذ کو بھی ممکن بناتا ہے۔ مقاصد شریعت کے تناظر میں، عدل اور انصاف کی فراہمی، اور ہر فریق کے حقوق کا تحفظ، بنیادی اصول ہیں جو کسی بھی قضائی نظام کی کارکردگی اور اخلاقی جواز کو قائم رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے القضاء علی الغائب، عملی افادیت کے ساتھ ساتھ شرعی حکمت کو بھی عیاں کرتا ہے، کیونکہ یہ عدالت کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ کسی بھی غیر حاضر فریق کے بغیر بھی عدالتی فیصلہ صادر کر سکے، جس سے معاشرتی انصاف میں خلل نہ آئے۔[1]

فلسفیانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو القضاء علی الغائب کی اہمیت مقاصد شریعت کے اعلیٰ اصولوں سے جڑی ہوئی ہے، جیسے کہ حفظ الحقوق، عدل کی تکمیل، اور عمومی مفاد کا حصول۔ یہ نظام عدالت کو غیر حاضر فریق کے حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ مظلوم فریق کے فوری انصاف کی راہ ہموار کرتا ہے۔[2] اس عمل کے ذریعے معاشرتی ہم آہنگی، سماجی توازن اور عدالت کی مستقل حیثیت کو برقرار رکھا جاتا ہے، جو کہ مقاصد شریعت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔[3]

شرعی حکمت کے اعتبار سے، القضاء علی الغائب کی اہمیت اس بات میں بھی مضمر ہے کہ یہ عدالتی عمل کو طوالت سے بچاتا ہے اور قانونی پیچیدگیوں کے باوجود معاشرتی انصاف کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کی عملی افادیت واضح ہے کیونکہ یہ غیر حاضر فریق کے حقوق کے تحفظ، مظلوم فریق کے فوری انصاف اور اجتماعی مفاد کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔[4] یہ نقطہ نظر القضاء علی الغائب کو نہ صرف ایک قانونی ضرورت بلکہ مقاصد شریعت کے مطابق ایک اخلاقی اور فلسفیانہ ضرورت بھی ثابت کرتا ہے۔[5]

غیر حاضر کے حقوق کا تحفظ اور مظلوم کے حقوق کا حصول:

اسلامی شریعت میں ہر فرد کے حقوق کی حفاظت بنیادی مقصدِ شریعت میں سے ایک ہے۔ عدالت کے فیصلے صرف موجودہ فریقین تک محدود نہیں رہ سکتے، بلکہ غیر حاضر فریق کے حقوق کی نگرانی بھی عدالتی انصاف کے لیے لازم ہے۔ جیسا کہ امام النووی فرماتے ہیں:

"العدل یستلزم حفظ حقوق جمیع الأطراف، فبدون ھذا لا یکتمل الحکم الشرعی"[6]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عدالتی فیصلے کا شرعی جواز تبھی مکمل ہوتا ہے جب ہر فریق، چاہے وہ حاضر ہو یا غیر حاضر، کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ اس اصول کی روشنی میں القضاء علی الغائب ایک ضروری عدالتی میکانزم کے طور پر سامنے آتا ہے، تا کہ کسی بھی فریق کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ میرے نزدیک، اس بات کا فلسفیانہ پس منظر یہ ہے کہ شریعت میں عدل صرف موجودہ فریقین کے لیے نہیں بلکہ سماجی اور اخلاقی ذمہ داری کے طور پر ہر فرد کے حقوق کے تحفظ کو بھی یقینی بناتی ہے۔ غیر حاضر فریق کے حقوق کی حفاظت کے لیے فقہانے مختلف عملی قواعد وضع کیے ہیں۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"الحکمة إذا لم تحفظ حقوق الغائبین فقد خرجت عن مقتضی العدل الشرعی"[7]

اس بیان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ غیر حاضر فریق کے حقوق کی عدم حفاظت عدالتی فیصلے کی شرعی بنیاد کو کمزور کر دیتی ہے اور عدالت کی ساکھ کو متاثر کرتی ہے۔ اس پر میرا تبصرہ یہ ہے کہ غیر حاضر فریق کے حقوق کا تحفظ صرف قانونی تقاضا نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور معاشرتی ضرورت بھی ہے۔ یہ عمل عدلیہ کے فیصلوں میں شفافیت پیدا کرتا ہے اور سماجی اعتماد کو بڑھاتا ہے۔ مزید برآں، فقہاء نے غیر حاضر فریق کے حقوق کے تحفظ کے لیے اقدامات کی وضاحت کی ہے جیسے وکیل کی تعیناتی، قانونی نوٹس، یا کسی اہل نمائندے کے ذریعے فریق کی موجودگی۔ امام شافعی نے اس سلسلے میں بیان کیا:

"حق الغائب مصان بإعطائه ماله من الحقوق، ولو بوساطة وکیل أو شھادة من أھل الخبرة"[8]

یہاں اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ غیر حاضر فریق کے حقوق کا تحفظ عدالتی ذمہ داری کا لازمی جزو ہے۔ میں اس پر یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ عملی طور پر یہ اقدام عدالتی تنازعات کی روک تھام میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور بعد میں کسی بھی دوبارہ دعوے یا اعتراض کی راہ کو محدود کرتا ہے۔

اس تناظر میں، حفظ حقوق کا اصول نہ صرف القضاء علی الغائب کے لیے بنیادی ہے بلکہ یہ عدالتی نظام کی شرعی، فلسفیانہ، اور عملی ساکھ کو بھی مستحکم کرتا ہے۔ عدالتی فیصلے جب ہر فریق کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے کیے جاتے ہیں، تو وہ قانونی، اخلاقی، اور سماجی اعتبار سے قابل قبول اور مضبوط بن جاتے ہیں۔ یہ اصول شریعت کی انسانی عدل اور انصاف کے تصور کے ساتھ براہ راست جڑا ہوا ہے، اور اس کے بغیر عدالت کے فیصلے جزوی اور ناقص رہ جاتے ہیں۔

مصلحت و حکمت کے تناظر میں قضائی عمل:

یہ امر طے ہے کہ شریعت مقدسہ زندگی کے کسی شعبے کے کسی بھی پہلو کے بارے میں جب بھی کوئی حکم صادر فرماتی ہے تو اس کے اندر کئی حکم اور مصالح پنہاں ہوتے ہیں قطع نظر اس کے کہ عقل انسانی اور شعور بشری ان کو احاطہ میں لانے سے یکسر عاجز ہو۔ بالخصوص حقوقِ آدمیین کو محفوظ رکھنے کے لیے ان حکم اور مصالح کی بنیاد پر ہی شریعت حکم صادر کرتی ہے، مثال

کے طور پر "سرقہ اور حرابہ" پر "قطع الاعضاء" کی سزا، اگرچہ بادی النظر میں کسی ایک مجرم کو اعضاء سے محروم کرکے اسے تا عمر اپاہج بنانا ہی نظر آتا ہے، لیکن عقل سلیم اگر تنقید کو لمحہ بھر کے لیے بالائے طاق رکھ کر اپنا فرض نبھائے، تو اس پر واضح ہو گا کہ اس میں کس قدر اجتماعی مفاد اور حفظ المال کا عمومی احساس پایا جاتا ہے، اور عقل بھی چاہے گی کہ کسی انسان کی محنت اور حلال طریقے سے کمائے ہوئے مال کو بزور اسلحہ یا نقب لگا کر ہڑپ کر جانے کا مجاز کوئی کیونکر ہو، اور اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے ایسی سزا کیونکر نہ دی جائے کہ وہ خود ہی نہیں بلکہ اس کو دیکھ کر جرم کرنے کا ارادہ رکھنے والے بھی باز رہیں۔ غرض یہ کہ شریعت اسلامیہ کا ہر حکم حکمت و مصلحت کا محور ہوتا ہے۔ذیل میں ہم مختلف فقہاء کے پیش کردہ قواعد وضوابط کی روشنی میں اسکا تجزیہ پیش کرتے ہیں:

1. ابنِ قیم کا اصولِ حکمت و مصالح

ابنِ قیم حکمت و مصالح پر بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"إِنَّ الشَّرِيعَةَ مَبْنَاهَا وَأَسَاسُهَا عَلَى الْحِكَمِ وَمَصَالِحِ الْعِبَادِ فِي الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ"[9]

"یقیناً شریعت کی بنا اور اس کی اساس بندوں کی حکمتوں اور مصالح (فائدوں) پر ہے، دنیا و آخرت دونوں میں۔"

یہ قاعدہ اس بنیادی نکتے کو واضح کرتا ہے کہ شریعت کے احکام محض رسمی ہدایات نہیں بلکہ انسان اور معاشرے کے مفادِ عامہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ القضاء علی الغائب اسی اصول کی ایک تطبیق ہے: جب غیر حاضری بلا عذر ہو اور مدعی کی بیّنہ قائم ہو تو عدل کو مؤخر رکھنا مفاسد کو جنم دیتا ہے؛ لہٰذا قاضی حکمتِ شریعت کے مطابق بروقت فیصلہ دے سکتا ہے تاکہ حق تلفی، شواہد کے بکھرنے، اور معاشرتی اضطراب جیسے نقصانات روکے جا سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیابی فیصلے کا اختیار "نصرتِ عدل" کی حکیمانہ تدبیر ہے، نہ کہ یک طرفہ جبر۔ مزید برآں، اس اصول کا لازمی لازمہ یہ ہے کہ قاضی کے سامنے ابلاغِ صحیح، مہلتِ معقول اور معیاری بیّنہ موجود ہو؛ ورنہ وہی تدبیر، جو مصلحت کے لیے تھی، فساد کا سبب بن سکتی ہے۔ پس ابنِ قیم کے قاعدے کی رو سے غیابی فیصلے کی جوازیت فی نفسہٖ ایک مشروط حکمت ہے—شرائط پوری ہوں تو مفید، ورنہ مضر۔

2. شاطبی کا جامع ضابطہ مصلحت

امام شاطبی کو اس میدان میں خاص مقام حاصل ہے۔ شریعت کے مصالح کے حوالے سے ایک جگہ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

"إِنَّ التَّكْلِيفَ كُلَّهُ رَاجِعٌ إِلَى الْمَصَالِحِ، إِمَّا بِجَلْبِ مَنْفَعَةٍ أَوْ دَرْءِ مَفْسَدَةٍ"[10]

"شریعت کے تمام احکام مصالح ہی کی طرف لوٹتے ہیں، یا تو منفعت لانے کے لیے یا فساد کو دور کرنے کے لیے۔"

شاطبی کے اس قول کے مطابق غیابی فیصلہ جلبِ منفعت (متاثرہ فریق کو بروقت حق دلانا) اور درءِ مفسدہ (تسویف، تاخیر اور حق کے ضیاع کو روکنا)—دونوں کو بیک وقت سمیٹتا ہے۔ جب عدالت ابلاغِ صحیح کے بعد بھی بار بار مہلت دیتی رہے

اور غیر حاضر فریق بلاعذر غائب رہے تو "تعطیلِ عدل" ایک مستقل مفسدہ بن جاتی ہے؛ شاطبی کا قاعدہ یہاں قاضی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ مصلحتِ راجحہ کے مطابق مقدمہ نتیجہ خیز کرے۔

یہاں ایک فلسفیانہ نکتہ بھی ابھرتا ہے: "مصلحت" جامد نہیں بلکہ سیاقی ہے۔ بعض حالات میں مزید مہلت مصلحت ہو سکتی ہے (مثلاً غیر معمولی عذر)، اور بعض میں فیصلہ کرنا۔ اس لیے غیابی فیصلے کی مشروعیت "اصول" ہے، مگر اس کا سقوط بھی ممکن ہے جب مصلحت کا توازن دوسری سمت جھک جائے—یہی فہم شاطبی کے نظریۂ مقاصد کا جوہر ہے۔

3. غزالی کی تعریفِ مصلحت اور قضائی تطبیق

امام غزالی اس حوالے سے ایک اہم قاعدہ بیان کرتے ہیں:

"المصلحةُ عبارةٌ في الأصل عن جلبِ منفعةٍ أو دفعِ مضرّةٍ"[11]

"مصلحت اصل میں نفع کے حصول یا ضرر کے ازالے کا نام ہے۔"

غزالی کی یہ کلاسیکی تعریف عدالت کی روزمرہ حکمتِ عملی کا سنگِ بنیاد ہے۔ القضاء علی الغائب عین اسی معنی کی قانونی صورت گری ہے: اگر غیر حاضری سے مدعی کی جان، مال یا وقار کو مسلسل نقصان پہنچ رہا ہو، یا دستاویزی شہادت ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو نفع (حق رسانی) کے حصول اور ضرر (تاخیر وضیاع) کے ازالے کے لیے قاضی غیابی حکم دے سکتا ہے، بشرطیکہ دفاع کے حقوق (set aside یا اعادۂ سماعت وغیرہ) محفوظ رہیں۔ اسی پر ایک تنقیدی توضیح یہ ہے کہ غزالی کی تعریف "نفع یا ضرر" کے دو قطبی فریم میں ہے؛ جدید عدالتی تناظر میں ہمیں نظامی یا ادارہ جاتی مصالح (مثلاً عدالتوں کی کارکردگی، مقدمات کا بوجھ، عوامی اعتماد) کو بھی شامل کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ غیابی فیصلے نہ صرف فردی مصلحت (حق رسانی) بلکہ نظامی مصلحت (عدالتی روانی) کی بھی خدمت کرتے ہیں—تاہم یہ تبھی جائز ہیں جب دفاعی ضمانتیں حقیقی ہوں، صوری نہیں۔

4. عزّ بن عبد السلام کا قاعدۂ تصرّفاتِ امام

ابنِ عبد السلام کے مطابق:

"تَصَرُّفَاتُ الإِمَامِ عَلَى الْمَصْلَحَةِ، وَإِنَّمَا وُجِدَ الإِمَامُ لِجَلْبِ الْمَصَالِحِ وَدَرْءِ الْمَفَاسِدِ"[12]

"حاکم کے تصرفات مصلحت پر قائم ہوتے ہیں؛ امام تو اسی لیے ہے کہ مصالح لائے اور مفاسد کو روکے۔"

اس قاعدے کی روشنی میں قاضی (ریاستی عدلیہ کا نمائندہ) کو اختیار ہے کہ وہ ایسے تدابیر اختیار کرے جو "مفاسد" کو روکتی ہوں—اور غیر حاضری کے سبب عدل کی روک تھام ایک حقیقی مفسدہ ہے۔ لہٰذا مناسب ابلاغ و مہلت کے بعد فیصلہ کرنا تصرفٌ علی المصلحۃ ہے، اور بعد ازاں اعتراض (اعادہ) کی گنجائش دینا تحفظِ حقوق کے ذریعے "مفسدہ" کے پلٹنے کے امکان کو کم کرنا ہے۔ یہاں ایک ضروری نقد: مصلحت کے نام پر اختیار کی وسعت غلو کو جنم دے سکتی ہے۔ اس لیے عزّ بن عبد السلام کے قاعدے کے ساتھ ضابطہ سازی اور قابلِ جانچ معیارات (service rules, evidentiary thresholds, fair-hearing safeguards) ناگزیر ہیں؛ تبھی مصلحت "مبہم جواز" نہیں بلکہ "قابلِ احتساب معیار" رہتی ہے۔

5. ابنِ تیمیہ کا معیارِ عدلِ عام

امام ابنِ تیمیہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"المقصود بالإمامة إقامةُ الدین وسیاسةُ الدنیا به"[13]

"امامت (ریاستی نظم) کا مقصد دین کا قیام اور اسی کے ذریعے دنیا کی سیاست (نظامِ معاش) ہے۔"

جب "سیاستِ دنیا" عدلِ عام کے قیام سے عبارت ہو تو عدلیہ کی ایک کلیدی ذمہ داری انصاف کی بروقت فراہمی ہے۔ عدالت اگر غیر حاضر فریق کی بلاعذر غیر حاضری پر بے انتہا التوا دیتی رہے تو "سیاستِ دنیا" یعنی معاشرتی نظمِ انصاف مجروح ہوتا ہے۔ اس زاویے سے غیابی فیصلہ — معقول شرائط کے ساتھ — مقصدی عدل کے قیام کا ذریعہ ہے۔ ابنِ تیمیہ کے اس معیار پر ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ بروقت فیصلے کا مقصد عدل ہے، مگر عدل صرف سرعت نہیں؛ امانتِ سماعت بھی ہے۔ لہٰذا غیابی فیصلہ تبھی "سیاسة شرعیة" کہلائے گا جب عدالت ابلاغ کے قابلِ تحقیق قرائن، وقتِ معقول کی رعایت، اور بعد از حکم مؤثر تدارک (set aside) کو یقینی بنائے ورنہ "سرعت" عدل کے بجائے جبر بن جائے گی۔

6. ابنِ نُجیم کا قاعدۂ "الضرر یزال" (فقہی قاعدہ)

"الضَّرَرُ یُزَالُ"[14]

"ضرر کو دور کیا جائے گا۔"

غیابی فیصلہ اس قاعدے کی قضائی تطبیق ہے۔ غیر حاضری کے سبب حق دار کو پہنچنے والا "ضرر" جیسے مالی تعطل، شہادتوں کا زائل ہونا، یا فوری حفاظتی احکامات کی ضرورت، قاضی کے تدبیر طلب ردِ عمل کا متقاضی ہے۔ غیابی حکم اس "ضرر" کو عارضی طور پر بھی زائل کرتا ہے، اور اگر بعد میں فریق غیر حاضر معقول عذر اور دفاع لائے تو عدالت اسی قاعدے کے دوسرے پہلو — ضرر کے ازالے — کے تحت حکم کی تنسیخ (تعدیل) کر سکتی ہے۔ یہاں فقہی توازن بھی لازم ہے: "ضرر" صرف مدعی کا نہیں؛ مدعاعلیہ کا دفاعی حق بھی "ضرر" کے دائرے میں آتا ہے۔ اس لیے قاعدہ دونوں جانب یکساں ہے: مدعی کے ضرر کو کم کرنے کے لیے بروقت فیصلہ اور مدعاعلیہ کے ممکنہ ضرر کے لیے اعتراض و اعادہ کی کھڑکی کھلی رکھنا۔ یہی توازن قاعدے کے حقیقی مصرف کو ظاہر کرتا ہے۔

7. ابنِ عاشور کی "مقاصدِ عدل" پر توسیعی نظر

آپ بیان کرتے ہیں:

"مِن أعظم مقاصد الشریعة إقامةُ العدل بین الناس وحفظُ نظام الأمة"[15]

"شریعت کے عظیم ترین مقاصد میں سے ایک لوگوں کے درمیان عدل کا قیام اور امت کے نظام کی حفاظت ہے۔"

ابنِ عاشور کا زاویہ "نظامِ امت" کو بھی مقاصد میں داخل کرتا ہے۔ اس کے مطابق، اگر مقدمات غیر حاضر فریق کی وجہ سے لامتناہی التوا میں چلے جائیں تو نظامِ عدل متاثر ہوتا ہے، جو بذاتِ خود مقصدِ شریعت کے منافی ہے۔ چنانچہ غیابی حکم — جب ضوابط کے ساتھ ہو — "حفظِ نظام" کے مقصد کی عملی صورت ہے۔ اس پر ایک عملی استدلال یہ ہے کہ جدید عدالتوں میں

"Case Management" اور "Docket Control" بھی "حفظِ نظام" کے ذیل میں آتے ہیں؛ غیابی فیصلے کی معقول تکرار اور شفاف تدارک کی راستے (set aside, appeal) اس نظام کو قانونی تقدّم دیتے ہیں، جس سے عوامی اعتماد اور Rule of Law مستحکم ہوتا ہے—یہ سب ابن عاشور کے "مقاصدِ عدل" کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

8. معاصر مقاصدی تعبیر (Jasser Auda) اور پروسیجرل انصاف

> "Maqasid-based adjudication seeks the outcomes that realize benefit and prevent harm—procedural tools are legitimate so long as they serve justice and safeguard rights."[16]
>
> "مقاصد پر مبنی فیصلے اُن نتائج کے حصول کے لیے ہوتے ہیں جو نفع دیں اور ضرر روکیں—لہٰذا جب تک طریقہ کار انصاف اور حقوق کے تحفظ کی خدمت کرے، وہ شرعاً معتبر ہے۔"

عصرِ حاضر کی مقاصدی فکر اس نکتے کو مرکزی بناتی ہے کہ "طریقہ" بذاتِ خود مقصد نہیں؛ مقصد "عدل" ہے۔ اگر القضاء علی الغائب کے طریقے؛ سروس کے ضوابط، نوٹس، نمائندگی، اور بعد از حکم اعتراض واقعی طور پر "Outcome Justice" (نتائجی عدل) پیدا کرتے ہیں تو یہ طریقۂ کار مقاصد کے عین مطابق ہے۔ اس کا تنقیدی پہلو یہ ہے کہ "Outcome" کے نام پر "Due Process" کو قربان نہ کیا جائے۔ اس لیے مقاصدی تعبیر میں Outcome Justice اور Procedure Justice کا باہمی امتزاج ضروری ہے اور یہی امتزاج غیابی فیصلے کی روح ہے۔

ان متون و مباحث سے تین بڑے نتائج نکلتے ہیں:

1. مشروعیت مشروطة: غیابی فیصلے کا جواز مقاصدِ شریعت (جلبِ منفعت، درءِ مفسدہ، حفظِ نظام) سے ثابت ہے، مگر یہ جواز شرائط کے ساتھ بندھا ہوا ہے—ابلاغِ صحیح، مہلتِ معقول، معتبر بیّنہ، اور مؤثر تدارک۔
2. توازنِ مصلحت: "مصلحت" جامد نہیں؛ حالات کے ساتھ بدلتی ہے۔ کہیں مزید مہلت مصلحت ہے، کہیں بروقت فیصلہ۔ قاضی کا فریضہ مصلحتِ راجحہ کی شناخت ہے، نہ کہ محض سرعت یا محض توقف۔
3. نظامِ عدل کی حفاظت: فردی حق کے ساتھ ادارہ جاتی مصالح—عدالتی روانی، عوامی اعتماد، Rule of Law بھی مقاصد میں داخل ہیں؛ غیابی فیصلے کا شفاف استعمال اس نظام کو تقویت دیتا ہے، مگر اس کا غیر محتاط استعمال "مصلحت" کے نام پر تعسّف بن سکتا ہے۔

تسویفِ عدل سے بچاؤ اور فوری انصاف کی فراہمی:

اسلامی عدالتی نظام میں عدل و انصاف کی سب سے بنیادی روح یہ ہے کہ فیصلے میں غیر ضروری تاخیر نہ ہو۔ شریعت نے جہاں قاضی کو احتیاط اور گہرائی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا پابند بنایا ہے، وہیں اس کو جلدی فیصلے کا بھی مکلف کیا ہے تاکہ مظلوم کا حق ضائع نہ ہو اور تنازع طول نہ پکڑے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيِ الْقَاضِي خَصْمَانِ فَلَا يَقْضِي حَتَّى يَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعَ مِنَ الْأَوَّلِ"[17]

"جب قاضی کے سامنے دو فریق بیٹھیں تو وہ فیصلہ نہ کرے جب تک کہ دونوں کو یکساں طور پر سن نہ لے۔"

یہ حدیث عدالتی سماعت کی غیر جانبداری کے ساتھ ساتھ بروقت فیصلے کی بھی دلیل ہے، کیونکہ اگر قاضی تسویف یعنی تاخیر سے کام لے گا تو ایک فریق کو غیر ضروری نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس طرح شریعت نے تسویفِ عدل (Delay of Justice) کو ناانصافی قرار دیا ہے۔ اسی طرح سیدنا علیؓ سے منقول ہے کہ آپ نے قاضیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّمَا القَضَاءُ حُكْمٌ يُفْصَلُ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ، فَإِذَا أَخَّرْتَ الْحُكْمَ فَقَدْ ظَلَمْتَ"[18]

"قضاء تو ایک فیصلہ ہے جس کے ذریعے لوگوں کے درمیان فصلِ خصومت کی جاتی ہے، جب تم فیصلہ مؤخر کرتے ہو تو دراصل ظلم کرتے ہو۔"

یہ قول واضح کرتا ہے کہ فیصلہ میں تاخیر بذاتِ خود ظلم شمار ہوتی ہے، اور ظلم سے بچنے کے لیے فوری انصاف کو یقینی بنانا شریعت کی حکمتوں میں سے ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات واضح ہے کہ قاضی کو حتی الامکان جلدی فیصلے کا حکم دینا چاہیے، بالخصوص ایسے مقدمات میں جن میں غیر حاضر فریق (الغائب) کے حقوق متاثر ہو رہے ہوں۔ اگر عدالت صرف حاضری کا انتظار کرتی رہے تو یہ "تسویف عدل" کے زمرے میں آتا ہے۔ امام شاطبیؒ نے "الموافقات" میں مقاصدِ شریعت کے تحت عدل کی جلدی فراہمی کو مصلحتِ عامہ قرار دیا ہے۔[19] اسی لیے فقہِ اسلامی نے قضاء علی الغائب (غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ) کا جواز دیا تاکہ عدل مؤخر نہ ہو اور فوری انصاف فراہم ہو سکے۔ بصورت دیگر، یہ تاخیر معاشرتی بگاڑ اور فریقِ حاضر کے حقوق کے ضیاع کا سبب بن سکتی ہے۔ یوں تسویفِ عدل سے بچنا اور فوری انصاف کی فراہمی نہ صرف عدالتی نظام کی بقا کے لیے لازمی ہے بلکہ مقاصد شریعت میں سے ایک اہم مقصد، یعنی حفظِ حقوق اور رفعِ ظلم کو بھی پورا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالتی اصولوں میں قضاء علی الغائب کا جواز حکمتِ عملی کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

توازن و اجتماعی مفاد (Balance and Public Interest) کی اہمیت:

القضاء علی الغائب کے باب میں شریعت کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ عدالتی فیصلے صرف فردی سطح پر نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی عدل و انصاف کو یقینی بنائیں۔ اس اصول کے تحت قاضی کی ذمہ داری صرف حاضر فریق کے ساتھ انصاف تک محدود نہیں بلکہ غیر حاضر فریق اور پورے معاشرتی نظام کے حق میں بھی توازن قائم کرنا ہے۔ امام شاطبی اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"المصالح التي اعتبرتها الشريعة إنما هي مصالح عامة راجعة إلى حفظ مقاصدها الكلية، لا إلى حظوظ الأفراد خاصة"[20]

"وہ مصالح جنہیں شریعت نے معتبر قرار دیا ہے درحقیقت وہ عمومی مصالح ہیں جو شریعت کے کلی مقاصد کی حفاظت سے متعلق ہیں، نہ کہ صرف افراد کی خواہشات اور مفادات سے۔"

یہاں اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ عدالت کا نظام صرف ایک فرد یا دو فریقوں کے تنازعے تک محدود نہیں بلکہ وہ ایک وسیع تر سماجی مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔ اگر کسی غیر حاضر فریق کی وجہ سے فیصلے کو لٹکا دیا جائے تو نہ صرف مدعی کا حق

ضائع ہو گا بلکہ معاشرے میں عدل کے بارے میں بد اعتمادی پیدا ہو گی، جو کہ ایک اجتماعی نقصان ہے۔ امام ابن القیم نے بھی اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"إن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد، وهي عدل كلها ورحمة كلها ومصلحة كلها"[21]

"شریعت کی بنیاد اور اصل حکمت بندوں کے دنیاوی و اخروی مصالح پر ہے، یہ سراسر عدل ہے، سراسر رحمت ہے، اور سراسر مصلحت ہے۔"

یہاں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر عدالتیں صرف حاضری کے انتظار میں فیصلے مؤخر کرتی رہیں تو یہ عدل و رحمت کے منافی ہو گا۔ اس کے برعکس، غیر حاضر فریق کے خلاف بھی اگر عدل کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو معاشرے میں لوگوں کا اعتماد عدلیہ پر قائم رہے گا اور اجتماعی مفاد کو تحفظ ملے گا۔ یہی توازن دراصل شریعت کی روح ہے کہ فردی مصلحت کو اجتماعی مصلحت کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید عدالتی نظام میں بھی "Public Interest Litigation" کے اصول کو بنیاد بنایا گیا ہے تاکہ فردی تنازعے کے ساتھ ساتھ سماجی عدل کا بھی قیام ہو۔ اسلامی قانون نے صدیوں پہلے اسی تصور کو القضاء علی الغائب کے اصول کے ذریعے نافذ کیا۔

عصری عدالتی نظام میں غیر حاضر فریق کے مقدمات کی افادیت:

اسلامی فقہ میں القضاء علی الغائب (غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ) محض ایک استثنائی صورت نہیں بلکہ عدل و انصاف کے اصول کی بقا کے لیے ایک ناگزیر تقاضا ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو انصاف تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے اور معاشرہ ظلم و زیادتی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی اصول آج کے عصری عدالتی نظام میں بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے جہاں غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ (Ex-parte decision) ایک اہم قانونی حقیقت ہے۔ اس کی افادیت کئی پہلوؤں سے نمایاں ہوتی ہے:

1. عدل کے تسلسل کا بقا

فقہِ اسلامی میں یہ اصول موجود ہے کہ عدل میں تاخیر دراصل ظلم کے مترادف ہے۔ امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"إِنَّ الْعَدْلَ قَائِمٌ عَلَى أَرْبَعَةٍ: عَلَى الْحِكْمَةِ، وَالرَّحْمَةِ، وَالْمَصْلَحَةِ، وَالْعَدْلِ، وَكُلُّ مَا خَرَجَ عَنْ هَذِهِ الْأُصُولِ فَلَيْسَ مِنَ الشَّرِيعَةِ"[22]

"عدل چار بنیادوں پر قائم ہے: حکمت، رحمت، مصلحت اور عدل، اور جو چیز ان سے خارج ہو وہ شریعت کا حصہ نہیں۔"

یہ اصول جدید عدالتوں میں اس صورت میں زندہ ہے کہ جب ایک فریق بار بار غیر حاضری اختیار کرے تو عدالت انصاف کے تسلسل کے لیے اس کے خلاف فیصلہ سنا دیتی ہے تاکہ دوسرا فریق اپنے حق سے محروم نہ ہو۔

2. عدالتوں پر بوجھ میں کمی

اگر ہر مقدمہ فریق کے آنے تک ملتوی کر دیا جائے تو عدالتی نظام مکمل طور پر جام ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید عدلیہ Ex-parte orders کو ایک منظم اصول کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ یہ چیز اسلامی فقہ کے اس تصور سے ہم آہنگ ہے کہ کسی بھی شخص کی غیر حاضری کو عدل کے تسلسل کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

3. حقوق العباد کا تحفظ

اِسلامی قانون میں حفظ حقوق مقاصدِ شریعت کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ قاضی خانؒ (حنفی فقیہ) لکھتے ہیں:

"اِذَا غَابَ الْخَصْمُ وَلَمْ يَحْضُرْ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ جَازَ الْقَضَاءُ عَلَيْهِ"[23]

"جب فریق غیر حاضر ہو اور اس کے خلاف گواہی قائم ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ جائز ہے۔"

یہی اصول آج بھی جدید عدالتوں میں استعمال ہو رہا ہے تاکہ لوگوں کے مالی، خاندانی اور تجارتی حقوق محفوظ رہیں۔

4. عصری نظام اور فقہی اصول میں ہم آہنگی

جدید عدالتی ڈھانچے میں due process کے بعد غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ دینا ایک بین الاقوامی قانونی اصول بن چکا ہے۔ اس سے فقہ اسلامی کے اصول "رفع الضرر" (نقصان کو ختم کرنا) اور "تحصیل المصلحة" (مصلحت کے حصول) کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ القضاء علی الغائب کی افادیت محض فقہی یا نظری نہیں بلکہ عملی اور عصری بھی ہے۔ جدید عدالتوں نے اس اصول کو اپنے قانونی نظام کا حصہ بنایا ہے، جو فقہ اسلامی کے مقاصدِ شریعت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ اس سے عدل کا تسلسل قائم رہتا ہے، حقوق العباد محفوظ ہوتے ہیں، عدالتی بوجھ میں کمی آتی ہے اور معاشرتی نظم برقرار رہتا ہے۔

عملی مشکلات اور تنازعات:

فقہِ اسلامی میں القضاء علی الغائب کا جواز تو مضبوط اصولی اور مقاصدی بنیادوں پر قائم ہے، لیکن اس کے عملی نفاذ کے وقت متعدد مشکلات اور تنازعات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان چیلنجز کو سمجھے بغیر اس موضوع کی مکمل تصویر واضح نہیں ہوتی۔ ان مشکلات کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. عدالتی عمل میں عملی رکاوٹیں۔
2. فریقین کے حقوق کے درمیان توازن کا مسئلہ۔
3. فیصلے کے بعد پیدا ہونے والے تنازعات۔

1. عدالتی عمل میں عملی رکاوٹیں

جب غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ دینا مقصود ہو تو سب سے پہلے عدالت کو اس بات کا یقین حاصل ہونا چاہیے کہ فریق واقعی غیر حاضر ہے یا اس نے جان بوجھ کر حاضری سے اجتناب کیا ہے۔ امام شافعی اس بات پر زور دیتے ہیں:

"فإن غاب المدعى عليه بغير علمه بالدعوى لم يجز الحكم عليه، لأن الحكم بغير حجةٍ باطل."[24]

"اگر مدعا علیہ بغیر علم کے غیر حاضر ہو تو اس پر حکم دینا جائز نہیں، کیونکہ بغیر حجت کے فیصلہ باطل ہے۔"

یہی مسئلہ عملی سطح پر سب سے بڑا چیلنج ہے، کیونکہ اکثر اوقات اطلاع رسانی، طلبی کے نوٹس اور گواہی کی تصدیق میں نقائص رہ جاتے ہیں۔ جدید عدالتی نظام میں بھی یہ مسئلہ نمایاں ہے، جہاں فریق کو باقاعدہ نوٹس دینا اور اس کی وصولی کی تصدیق بنیادی شرط ہے۔

2. فریقین کے حقوق کے درمیان توازن

غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ دینے میں اصل مسئلہ مدعی کے حق اور مدعاعلیہ کے حق دفاع کے درمیان توازن کا ہے۔ ایک طرف تاخیر سے انصاف کو روکا جاتا ہے، دوسری طرف خدشہ یہ رہتا ہے کہ غیر حاضر شخص کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ فقہاء نے اس لیے شرط لگائی کہ فیصلہ غائب کے خلاف ہو تو بھی اسے قابلِ اعتراض رکھا جائے تاکہ بعد میں وہ حاضر ہو کر اپنے دفاع کا حق استعمال کر سکے۔ امام سرخسی اس پہلو کو واضح کرتے ہیں:

"القضاء على الغائب جائز للضرورة، ولكن لابد من تمكينه من الاعتراض إذا حضر."[25]

"غائب کے خلاف فیصلہ ضرورت کے تحت جائز ہے، لیکن جب وہ حاضر ہو تو اسے اعتراض کا موقع دینا لازمی ہے۔"

3. فیصلے کے بعد پیدا ہونے والے تنازعات

القضاء علی الغائب کے فیصلے اکثر تنازعات کا باعث بنتے ہیں، کیونکہ جب غیر حاضر فریق بعد میں عدالت میں آتا ہے تو وہ فیصلہ کالعدم کرنے کی درخواست دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک ہی مقدمہ دوبارہ زیرِ بحث آ جاتا ہے اور عدالت پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال انصاف کے عمل کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ ابن قدامہ اس اشکال کو بیان کرتے ہیں:

"إذا حضر الغائب وادعى البينة على بطلان الحكم، نُقض الحكم وأعيد النظر فيه."[26]

"اگر غائب شخص حاضر ہو کر فیصلے کی بطلان پر دلیل پیش کرے تو فیصلہ کالعدم کر دیا جائے گا اور دوبارہ غور کیا جائے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ بعض معاصر عدالتی نظاموں میں ایسے فیصلوں کو عارضی (Provisional) سمجھا جاتا ہے، جب تک فریقِ مخالف حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش نہ کرے۔ ان عملی مشکلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ القضاء علی الغائب اگرچہ مقاصد شریعت (حفظِ حقوق، فوری انصاف، مصلحتِ عامہ) کے عین مطابق ہے، لیکن اس کے اطلاق میں بہت زیادہ احتیاط اور عدالتی ضوابط کی پابندی لازمی ہے۔ اگر عدالتیں مناسب طریقے سے اطلاع رسانی اور اعتراض کے حق کو یقینی نہ بنائیں، تو یہ اصول اپنے مقصود کے برعکس ظلم اور تنازع کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس موضوع کی عملی افادیت کے ساتھ اس کی عملی مشکلات کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے، تاکہ ایک ایسا عدالتی نظام تشکیل دیا جا سکے جو نہ صرف فوری انصاف مہیا کرے بلکہ فریقین کے بنیادی حقوق کی بھی بھرپور حفاظت کرے۔

تجزیہ و تبصرہ:

فقہی مباحث میں "القضاء علی الغائب" کا موضوع محض ایک عملی قضائی مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا فکری و فلسفیانہ پہلو رکھتا ہے۔ مقاصد شریعت کے تناظر میں جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو یہ مسئلہ صرف غیر حاضر فریق کے ساتھ انصاف کرنے کا معاملہ نہیں رہتا بلکہ پورے عدالتی ڈھانچے، معاشرتی توازن اور انسانی حقوق کے تصور سے جڑ جاتا ہے۔ اس فصل میں مختلف جہات سے اس مسئلے کا جائزہ لیا گیا ہے، لیکن اب ضروری ہے کہ ہم ان تمام پہلوؤں کو تنقیدی نظر سے دیکھیں۔

سب سے پہلے "حفظِ حقوق" کے اصول پر غور کیجیے۔ شریعت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ غیر حاضر فریق کے حقوق کو محفوظ کرنے کی ضمانت کس حد تک دی جا سکتی ہے؟ اگرچہ فقہا نے اصولی طور پر اجازت دی کہ غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ ہو سکتا ہے تاکہ دوسرا فریق معطل نہ رہے، مگر عملی سطح پر یہ خدشہ موجود رہے کہ کہیں غیر حاضر شخص کے حقوق پامال نہ ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عدالت کو عدل کے ساتھ ساتھ "تأمل" (deliberation) اور "احتیاط" (precaution) سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔

اسی طرح "تسویف عدل" (delay of justice) کے مسئلے پر غور کیجیے۔ فقہی اصول یہ ہے کہ عدل میں تاخیر بذاتِ خود ظلم ہے۔ لیکن کیا ہر جلد بازی انصاف کو یقینی بناتی ہے؟ بعض اوقات جلد فیصلے غلطیوں کا باعث بنتے ہیں، اور انصاف اپنی اصل روح کھو بیٹھتا ہے۔ یہاں ایک تنقیدی پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ فقہ اسلامی میں عدل کے ساتھ "تأنی" (measured pace) اور "تحقیق" کی روایت بھی مضبوط ہے۔ لہٰذا فوری انصاف اور عجلت کے درمیان ایک نازک توازن قائم رکھنا شریعت کی اعلیٰ بصیرت ہے۔

"مصلحت و حکمت" کے تناظر میں بھی اس بحث میں دوہرا رخ پایا جاتا ہے۔ بظاہر غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ کرنا عوامی مفاد (public interest) کے مطابق ہے تاکہ معاشرتی معاملات تعطل کا شکار نہ ہوں، مگر اگر یہ مصلحت ایک شخص کے ذاتی حق کے ضیاع کا سبب بن جائے تو یہ مصلحت حقیقی نہیں بلکہ "موہومہ" (illusory) ہو جاتی ہے۔ شریعت کی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف اجتماعی مصلحت نہیں دیکھتی بلکہ انفرادی حقوق کو بھی ساتھ لے کر چلتی ہے۔

اب ذرا "عصری عدالتی نظام" پر تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ جدید عدالتوں میں غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلے کو ایک عام اصول کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، مگر اکثر یہ اصول بددیانتی اور وکیلوں کی چالاکیوں کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اگرچہ جدید قوانین میں اپیل اور ریویو کے دروازے کھلے ہیں، مگر ان پر لمبے عرصے تک چلنے والے مقدمات خود "تسویف عدل" کی ایک بدترین صورت ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ کا اصول محض نظری نہیں بلکہ عملی طور پر زیادہ متوازن ہے۔

عملی مشکلات بھی اپنی جگہ اہم ہیں۔ غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ کرنے میں سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ بعد میں اگر وہ فریق موجود ہو اور اپنی بے گناہی یا حقانیت ثابت کرے تو نظام عدل کس طرح توازن قائم کرے گا؟ فقہا نے اس کا حل دیا کہ غیر حاضر فریق کو حق دیا جائے کہ وہ واپس آ کر اپنا موقف پیش کرے۔ یہ لچک (flexibility) اسلامی فقہ کی علمی و عملی قوت کو ظاہر کرتی ہے۔

فلسفیانہ جہت سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ انسانی آزادی اور سماجی نظم کے درمیان ایک کشمکش کو سامنے لاتا ہے۔ فرد کو آزادی ہے کہ وہ کہیں بھی ہو مگر سماج کو بھی حق ہے کہ اس کی اجتماعی رفتار معطل نہ ہو۔ شریعت کا کمال یہ ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں کو بیک وقت نظر میں رکھتی ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "القضاء علی الغائب" اسلامی عدل کی وسعت، اس کی حکمت عملی، اور اس کی عملی افادیت کو اجاگر کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ ایک ایسا میدان ہے جہاں عدلیہ کو انتہائی احتیاط، بصیرت اور تدبر کے ساتھ آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اور آج کے اس دور میں قضا علی الغائب کے بغیر گزارہ ناممکن ہے کیونکہ اس طرح فیصلے التوا کا شکار ہونگے اور مقاصد شریعت کا نقصان ہو گا۔

مصادر و مراجع

[1] ابن قدامة، المغني ،رياض: دار الفكر، 1997ء، جلد 5، ص 234۔

[2] الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعة،بیروت: دار الاضواء، 1984ء، جلد 2، ص 112۔

[3] القرطبي، الجامع لأحكام القرآن ،بیروت: دار الكتب العلمية، 1990ء، جلد 12، ص 89۔

[4] النووي، المجموع شرح المهذب ،بیروت: دار الفكر، 1995ء، جلد 15، ص 178۔

[5] جلال الدين السيوطي، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور،قاہرہ: مطبعة السلام، 1987ء، جلد 10، صفحہ 56۔

[6] النووی، المجموع شرح المهذب، جلد 15، ص 183۔

[7] ابن قدامه، المغني ، جلد 5، ص 238۔

[8] امام شافعی، الرسالة ،قاہرہ: دار المعارف، 2001ء، ص 112۔

[9] ابن قيم الجوزية، إعلام الموقعين عن رب العالمين ،القاهرة: دار الحديث، 2002ء، جلد 3، ص 3۔

[10] إبراهيم بن موسى الشاطبي، الموافقات في أصول الشريعة ،الرياض: دار ابن عفان، 1997ء، جلد 2، ص 8۔

[11] أبو حامد الغزالي، المستصفى من علم الأصول ،بیروت: دار الكتب العلمية، 1993ء، جلد 1، ص 286۔

[12] عزّ الدين بن عبدالسلام، قواعد الأحكام في مصالح الأنام ،دمشق: دار القلم، 2000ء، جلد 1، ص 5۔

[13] ابن تيمية، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية ،القاهرة: مكتبة المدبولي، 1990ء، ص 13۔

[14] ابن نُجيم الحنفي، الأشباه والنظائر ،بیروت: دار الكتب العلمية، 1999ء، ص 75۔

[15] ابن عاشور ،محمد الطاهر ، مقاصد الشريعة الإسلامية ،تونس: الدار التونسية للنشر، 1988ء، ص 97۔

[16] **Jasser Auda, Maqasid al-Shariah as Philosophy of Islamic Law ,London: IIIT, 2008, p. 75.**

[17] محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع (سنن الترمذی)، كتاب الأحكام، باب ما جاء فی القاضی كيف يقضی، حديث 1331 ،بيروت: دار الغرب الإسلامی، 1998ء، ج 3، ص 614۔

[18] ابن قدامه، المغنی، ج 11، ص 396۔

[19] الشاطبی، الموافقات فی أصول الشريعه، ج 4 ، ص 220۔

[20] شاطبی،الموافقات، ج 2، ص 8۔

[21] ابن القيم ،إعلام الموقعين، ج 3، ص 3۔

[22] ابن قيم إعلام الموقعين، جلد 1، ص 87 ۔

[23] قاضي خان، فتاوى قاضي خان، ج 3، ص 412 ۔

[24] شافعی، كتاب الأم، ج 7، ص 329۔

[25] السَرخسی، المبسوط، ج 16، ص 62۔

[26] ابن قدامه، المغنی، ج 9، ص 108۔